

مولانا عبدالرحمن کیلانی

احکام و مسائل

قسط (۲) آخری

قرض - رہن - دیوالیہ

بعض دفعہ مقرض آدمی کسی ناگہانی آفت یا خسارہ کی وجہ سے اس قابل نہیں رہتا کہ وہ آئندہ کسی وقت بھی آ قرض خواہوں کی ادائیگی کر سکے۔ اسے شرعی اصطلاح میں مفلس اور ہماری زبان میں دیوالیہ کہتے ہیں۔ اس کے متعلق بھی ارشادات نبوی ملاحظہ فرمائیے۔

۱۔ "عن ابی ہریرۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: ایما رجل افلس فادرك رجل

ماله بعینہ فہو حق بہ من غیرہ؟" (متفق علیہ)

"حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا، جو شخص مفلس ہو جائے اور کوئی آدمی اپنا مال بعینہ اس کے پاس پالے تو وہ اس کا سب سے زیادہ حق دار ہے؟" (بخاری و مسلم)

دیوالیہ آدمی کا مال قرض خواہوں میں قرضہ کی نسبت سے تقسیم ہوگا:

۱۔ "عن ابی سعید قال اصیب رجل فی عہد النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی شمار ابتاعھا

فکثر دینہ فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تصدقوا علیہ فتصدق الناس علیہ

فلما یبلغ ذالک وفاعدینہ فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لغرماءہ خذوا ما

وجدتم ولیس لکم الا ذالک" (سرواہ مسلم)

"حضرت ابو سعیدؓ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے عہد میں ایک شخص نے پھل خریدا جسے نقصان پہنچ گیا اور اس کا قرضہ بہت بڑھ گیا۔ تو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے لوگوں سے فرمایا اس پر صدقہ کرو۔ لوگوں نے صدقہ کیا، پھر بھی اتنی رقم نہ ہو سکی جو قرضے پر رے کر سکے۔ آپؐ نے قرض خواہوں سے فرمایا "جو کچھ نسبت کے ساتھ تمہیں ملتا ہے، لے لو اور تمہارے لئے یہی کچھ ہے۔" (مسلم)

یعنی اگر ایک آدمی کا قرضہ اس کے اثاثے میں گنا ہے تو ہر ایک قرضخواہ جس کا مال بھی اس کے پاس بعینہ موجود ہے تو وہ قرضخواہ اپنا مال لے لے گا باقی قرضخواہ بقایا اثاثہ کو نسبت سے تقسیم کریں گے اور آئندہ بھی کچھ توقع نہ رکھنی چاہیے۔

اس کی مثال یوں سمجھئے کہ زید نے بکر سے ۲۰۰۰ روپے میں ادھار لی۔ زید دیوالیہ ہو گیا ہے۔ اس کا مجموعی قرضہ ۱۵۰۰ ہو گیا اور اس کا کل اثاثہ اس بعینہ سمیت صرف ۵۰۰ روپے ہے۔ اصولاً تو اب ہر قرضخواہ کو قسراً حصہ ملنا چاہیے۔ مگر بکر واپس جا کر اپنی بعینہس واپس لے سکتا ہے۔ اب بقایا قرضہ ۱۳۰۰ رہ گیا اور اس کا اثاثہ باقی ۳۰۰۔ تو اب یہ اسی نسبت سے قرضخواہوں میں تقسیم ہوگا۔

دوسری چیز جو اسی حدیث سے معلوم ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ مفلس آدمی صدقات و خیرات کا حقدار ہوتا ہے۔ لہذا عام مسلمانوں کو اس کی طرف توجہ کرنا ضروری ہے۔

۳۔ ”وعن عبد الرحمن بن كعب بن مالك قال: كان معاذ بن جبل شابا سخيّا وكان لا يملك شيئا من ماله الا ما كان في يده حتى اغرق ماله كله في الدين فأتى النبي صلى الله عليه وسلم فذكر له ما كان عليه من الدين فغفر له ما كان عليه من الدين وبلغه ما كان عليه من الدين وبلغه ما كان عليه من الدين وبلغه ما كان عليه من الدين“ (مسند ابن سعد ۴/۱۰۰)

عبد الرحمن بن کعب بن مالک سے مروی ہے کہ حضرت معاذ بن جبل ایک سخی جوان تھے کوئی چیز ان کے پاس نہ ٹھہرتی اور وہ ہمیشہ مقروض رہتے۔ یہاں تک کہ اپنا سارا مال قرض میں ڈب دیا۔ پھر وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور کہا کہ آپ میرے قرضخواہوں سے بات کریں کہ قرضخواہ اگر کچھ چھوڑنے والے ہوتے تو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خاطر حضرت معاذؓ کو ضرور چھوڑ دینگے (مگر وہ اس بات پر آمادہ نہ ہوئے تو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت معاذؓ کا سارا سامان بیچ کر قرضخواہوں کو کچھ دے دلا کر رخصت کر دیا اور حضرت معاذؓ کے پاس کچھ بھی باقی نہ رہا۔

حدیث بالا سے مندرجہ ذیل امور پر روشنی پڑتی ہے:

۱۔ قرض لینا ایک مذموم فعل ہے۔ خواہ قرض لیکر صدقہ ہی کیوں نہ کیا جائے لہذا حتی الوسع قرض سے اجتناب ہی بہتر ہے۔

۲۔ انسان کے پاس خواہ کچھ بھی نہ بچے تب بھی قرض ادا کرنا مقدم ہے۔

۳۔ ایک دوسری حدیث میں یہ تفصیل بھی موجود ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت معاذؓ کے قرض خواہوں سے بات چیت کر لی تو پھر حضرت معاذؓ کو ان کے آٹاشہ میں کسی طرح کا تصرف کرنے سے آپؐ نے منع فرمایا۔ پھر سب کچھ بیچ کر قرض خواہوں کی ادائیگی کر دی۔

(۴) ”عن کعب بن مالک عن ابیہ ان رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم حجر علی معاذ مائتہ دینار فی دین کان علیہ“ (سرداکہ السن الرقطنی وصححه الحاكم واشترطہ البز أود مرسلا)

”کعب بن مالکؓ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت معاذؓ کو اپنے مال میں تصرف کرنے سے روک دیا تھا اور وہ مال ان کے قرض کی ادائیگی کے لئے فروخت کیا گیا۔“

جب کوئی شخص دلیہ الیہ ہو جائے تو پھر وہ مال جو اس کے پاس موجود ہے، اس کا نہیں رہتا۔ لہذا اس کو خرد برد کرنے یا اس میں تصرف کا اختیار اسے نہیں رہتا ورنہ یہ امانت میں خیانت متصور ہوگی۔ تصرف سے روکنے کے عمل کو عربی میں حجر اور ہجاری زبان میں قرقی کرنا کہتے ہیں۔ یہ حق حکومت، عدالت یا پنچایت کو ہوتا ہے (جیسی بھی صورت ہو) آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے یہ کام اولی الامر کی حیثیت سے کیا تھا۔

عاریت، امانت، ضمانت

تجارت اور روزمرہ کے لین دین میں کبھی کبھار عاریت لینا پڑتا ہے، کبھی کسی کے پاس کچھ امانت رکھنا پڑتی ہے یا کسی کی امانت خود سنبھالنا پڑتی ہے اور کبھی کسی کی ضمانت کی ضرورت پیش آجاتی ہے۔ لہذا ان کے متعلق بھی واقفیت حاصل کرنا ضروری ہے۔

عاریت؛

اگر کوئی مسکن بھائی کوئی چیز عاریتہ طلب کرے تو اسے ضرور دینا چاہیے۔ یہ اثاثہ نہیں بلکہ مانگی ہوئی چیز نہ دینا گناہ ہے۔ ارشاد خداوندی ہے:

”قَوْلِي يٰمَعْصِلَيْنِ ؕ اَلَّذِيْنَ هُمْ عَنْ صَلَاتِهِمْ سَاهَوْنَ ؕ اَلَّذِيْنَ هُمْ يَرْاَوْنَ وَ لَيْسَ عَنْ الْمَأْمُونِ ؕ“ (۱۰۷/۷)

”ان نماز پڑھنے والوں کے لئے ہلاکت ہے جو اپنی نمازوں سے غافل ہیں۔ یہ لوگ دکھو داکرتے ہیں اور مانگی ہوئی چیز بھی نہیں دیتے۔“

بانگی ہوئی چیز مانگنے والے کے پاس بطور ضمانت ہوتی ہے جس کو واپس کرنا اس پر لازم ہے۔ اور وہ اس کے نقصان کا (بطور ضمانت) ذمہ دار ہوتا ہے۔ ارشاد نبوی ملاحظہ ہو:

۱۔ "ممن ممة بن جندب قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم هل ائيد ما اخذت حتى تؤد به" (مسودۃ احمد والاربعة وصحة الحاكم)

"حضرت سمرۃ بن جندب سے روایت ہے، فرمایا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے، جس ہاتھ نے جو کچھ لیا ہو، اس کو اس کا ادا کرنا واجب ہے۔" (احمد، ابوداؤد، نسائی، ترمذی، ابن ماجہ نے اس کو روایت کیا اور حاکم نے اسے صحیح کہا ہے)

۲۔ حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنی کسی بیوی کے ہاں قیام پذیر تھے۔ کسی دوسری بیوی نے کھانے کی رکابی بھیجی تو اس بیوی نے جس کے ہاں آپؐ مقیم تھے، خادم کے ہاتھ کو جھٹکا دیا۔ رکابی گر گئی اور ٹوٹ گئی۔ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم رکابی کے ٹکڑے اور وہ کھانا جو اس میں تھا جمع کرنے لگے اور فرمایا "تمہاری ماں کو غیبت آگئی" (بوہرہ رقابت) پھر خادم کو ٹھہرایا اور اس بیوی سے (جس کے ہاں رکابی ٹوٹی تھی) ایک دوسری سالم رکابی لے کر اس بیوی کے ہاں بھیجوا دی جس نے بھیجی تھی اور یہ ٹوٹی ہوئی رکابی اسی گھر میں رکھ لی جہاں ٹوٹی تھی۔ (بخاری)

حاریۃ چیز بطور امانت بھی ہو سکتی ہے۔ بشرطیکہ یہ معاملہ پہلے سے طے ہو جائے۔ اس میں نقصان کی صورت میں اصل بار مالک پر ہوتا ہے۔

امانت:

امانت عند الطلب واجب الادا ہوتی ہے۔ یہ استعمال نہیں کرنی چاہیے۔ اگر نقدی کی شکل میں ہو تو اس صورت میں استعمال کرے کہ عند الطلب فوری ادائیگی کر سکے تو اس میں کچھ حرج نہیں۔ تاہم احتیاط ہی ہے کہ استعمال نہ کی جائے۔ امانت میں کسی طرح کی بھی خیانت کرنا گنہگار ہے۔ ارشاد خداوندی ہے:

وَقُلُوبُهُمْ أَتَيْنَا أَذْنًا مِّنْ أَمَانَتِهِ ذَلِيلَتِ اللَّهُ رَبِّهِ

کہ جو شخص امین بنایا گیا ہے، اسے امانت ادا کرنی چاہیے اور اللہ اس کا رب ہے اور

لے اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حاریۃ کی ہوئی چیز کا نقصان ہو جائے تو مالک کو نئی چیز لے کر دینا پڑتی ہے اور

ہے (یعنی اس میں کسی قسم کی خیانت نہ کرے)
اور ارشاد نبوی ہے:

”لَا إِيمَانَ لِمَنْ لَا أَمَانَةَ لَكَ“

”کہ جس میں امانت نہیں، اس میں ایمان بھی نہیں“

لہذا امانت کے متعلق پوری احتیاط لازم ہے۔ اگر امانت میں امین کے ہاں کچھ نقصان ہو جائے، وہ چیز کم ہو جائے یا چوری ہو جائے یا کسی اور صورت میں ضائع ہو جائے (جس میں امین کے اختیار کو کچھ دخل نہ ہو) تو اس کا بار امین پر نہیں ہوتا۔ بلکہ وہ اصل مالک کا ہی نقصان ہوگا۔ ارشاد نبوی ہے:

”عن عمر بن شعيب عن أبيه عن جدّه عن النبي صلى الله عليه وسلم قال من أودع ودیعة فلیس علیہ ضمان“ (ابن ماجہ)

”عمر بن شعیب اپنے باپ سے، وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ

وسلم نے فرمایا جس شخص کے پاس امانت رکھی جاتی ہے وہ ضامن نہیں ہوتا“

البتہ اگر امین اس مامونہ چیز کو کسی وقت بھی ذاتی استعمال میں لا چکا ہو تو پھر وہ اس کے نقصان کا ذمہ دار ہوگا۔

ضمانت:

جب دو شخصوں کے درمیان لین دین کا معاملہ ہو اور لینے والے یا حقدار کو دینے والے پر اعتبار نہ ہو تو ضمانت کی ضرورت پیش آتی ہے۔ درمیان میں تیسرا آدمی جو حقدار کو حق دلوانے کی ضمانت اٹھاتا ہے وہ ضامن کہلاتا ہے۔ اگر وہ حق دار کو حق نہ دلوا سکے تو لینے والے کے حق کی ادائیگی کی ذمہ داری ضامن پر آپڑتی ہے۔ جو بہ صورت اسے ادا کرنا ہوگی خواہ لوگوں سے مانگ کر کرے۔

”عن ابی امامۃ قال سمعت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یقول العادیۃ مٹوۃ والمنعۃ مردوۃ والذین مقضی الذرعیم غارم“ (ترمذی، البوداؤدی)

حضرت ابی امامہؓ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو سنا، آپؐ فرماتے تھے ”مانگی ہوئی چیز قابل واپسی ہے، شیردار جانور بھی قابل واپسی ہے، قرضہ کی ادائیگی ضروری ہے اور ضامن کو تاوان ادا کرنا ہوگا“

”وعن قبیصة بن مخارق قال، قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، ان المسئلة

لا تعلق الا حد ثلاثۃ، رجل یجعل سقۃ فحلت له المسئلة یمسکھا ثم

یسک ————— ورجل اصابته جائحة احتاجت ماله فحلت له المسئلة حتى يصيب ثوا من عيشه۔

ورجل اصابته فاقحة حتى يقول ثلاثت من ذوى العقبى من قوم لم يصب فلان فاقحة فحلت له المسئلة۔" (سراواک مسلم)

تبصیر بن مخارق سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا، تین شخصوں کے ملاوہ کسی اور کو سوال کرنا مانگنا جائز نہیں ہے۔

۱۔ وہ شخص جس پر بوجھ پڑ گیا (ضمانت یا قرضے کا) اور وہ اس کی ادائیگی سے معذور ہے، وہ مانگ لے تا آنکہ اس کی رقم پوری ہو جائے پھر رک جائے۔

۲۔ وہ شخص کہ کسی ناگہانی آفت سے اس کا مال (یا کھیتی) ضائع ہو گیا اور وہ محتاج ہو گیا، وہ اس حد تک سوال کر سکتا ہے کہ اپنے پاؤں پر کھڑا ہو سکے۔

۳۔ وہ فاقہ زدہ آدمی جس کے متعلق اس کی قوم کے تین معتبر آدمی اس کی فاقہ زدگی پر گواہی دے دیں تو اس کیلئے سوال کرنا جائز ہے۔

لہذا ضمانت کا بار سوچ سمجھ کر اٹھانا چاہیے کہ آیا واقعی اس میں حقدار کا حق دلوانے کی طاقت ہے یا بصورتِ وہ خود یہ بار اٹھا سکتا ہے؛ اگر ان دونوں صورتوں میں سے کوئی بھی صورت اس کے بس کا روگ نہ ہو تو اسے ضمانت دینے سے پرہیز لازم ہے۔

بقیہ اقلیت اور اکثریت کا مقابلہ

کیا اس سے بڑھ کر بھی کوئی ظلم ہو سکتا ہے؟ اسلام کا قانون صرف اس بنا پر مسترد کر دیا گیا کہ اس کے خلاف ہاتھ اٹھانے والے جاہلوں کی تعداد زیادہ تھی! جہاں حق و صداقت کا معیار یہ ہو، وہاں سے کسی بھلائی اور خیر کی توقع مثبت ہے۔ پس ملک و ملت کی نلاج اسی میں ہے کہ یہاں حق و صداقت کا معیار کتاب و سنت کو ٹھہرایا جائے، انہی کی بنا پر فیصلے ہوں اور انہی کا قانون پورے ملک میں نافذ ہو، صرف اسی صورت میں پاکستان ایک اسلامی مملکت بن سکتا ہے اور اسی میں ہماری دنیا اور آخرت کی کامیابی کا راز پوشیدہ ہے!